بمشکل یہاں تک پہنچے تھے اور اَب اِس ڈائی سیکشن ہال میں آغا خان میڈیکل کالج کے
سیکشن ہال میں پہنچ کر اطمینان محسوس کر رہے تھے.. اور ست ہو رہے تھے.. اور
بدنوں میں بے چینی اور ویرانی بھی بہت تھی اور اِسی لئے وہ آپس میں گفتگو کم کر رہے تھے
اگرچہ ڈائی سیکشن کا پیریڈ بچرز کی زبان میں بک بک پیریڈ تھا لیکن آج وہ بک بک نہیں
رہے تھے.. رحمان گل نے آخر کار سر اُٹھا کر مُردہ ردم کی مُردہ خاموشی کو توڑا "یار
میڈیکل سسٹم جو بے غیرت انگریز کا بنایا ہوا ہے بالکل خانہ خراب ہے۔ اِدھر کیا
ضروری ہے کہ مُردہ جو ہے اِدھر ہال مال میں ہی ہو اور ہم گولیوں اور دھماکوں سے
صرف ایک مُردے کے جگر کو چیرنے کے لئے جان ہتھیلی پر رکھ کر — یوں — "اُس
"یوں" کہنے پر اپنی ہتھیلی پر خشک اور اکڑے ہوئے ماس کا ایک ٹکڑا رکھا جو اُس نے
حصے کے مُردے کی ٹانگ میں سے چیر کر الگ کیا تھا — "یُوں — یہاں پہنچیں
پاکستانی اور مناسب سسٹم یہ ہو کہ ہم مُردے کو اپنے ساتھ گھر لے جائیں اور اطمینان
مغرب کی نماز کے بعد ڈائی سیکٹ کریں — "

"پورا مُردہ بغل میں داب کر گھر لے جائیں خان صاحب... اور اماں جان اور
گھر والوں کو بے ہوش کر دیں — ہمارے گھر میں تو لخلخہ بھی نہیں جو شنید ہے کہ
گھروں میں ہوتا ہے اور جسے سونگھنے سے پتہ نہیں کیا ہو جاتا ہے — " بیزاری اور
کی جو علامتیں ہوتی ہیں وہ اِظہار اعوان کے چہرے پر تھیں۔

"اِظہار اعوانا — " رحمان گل نے توجہ اُدھر کی جدھر وہ بار بار اپنی عینک درست
کرتا اپنے مُردے کے رخسار پر ہلکے ہلکے کٹ لگا رہا تھا... Kindest Cut... "پورا ڈیڈ باڈی
نہیں یارا صرف وہ حصہ جسے ڈائی سیکٹ کرنا ہوتا ہے — اَب پچھلے برس معلوم کیا ہوا
میں ایک مُردے کا پورا بازو کاٹ کر — اِدھر کوٹ کی اندرونی جیب میں اڑس کر لے
ہوسٹل لے گیا تھا.... ایمان سے — "

"اوئے نسوار خاناں — یونہی نہ چھوڑا کر یار — " داؤد احمد نے ایک لگڑ بگڑ
قہقہہ لگا کر کہا۔ دانش نے بھی سر اُٹھایا۔ پہلے اپنے ماتھے پر آئے ہوئے اُس پسینے کو پونچھا
اُس کی آنسوئی رنگت کی بنا پر کسی اور کو دکھائی نہ دیتا تھا — "نہیں نہیں — ماتھے
جی نہیں چاہتا — "

کمند علی خان البتہ اپنی چیر پھاڑ چھوڑ کر ٹہلتے ہوئے رحمان گل کے قریب آ گئے

اِن کے کندھے پر ایک مربیانہ تھپکی دے کر بولے — "کوٹ کی جیب میں مُردے کا
اِن ...
واللہ"

"بہت افسوس کا بات ہے یارا۔ ایک مسلمان مسلمان کی بات کا اعتبار نہیں کرتا۔
قریب ہے۔۔ میں تمہیں ایمان سے بتاتا ہوں کہ اِدھر جو لاش ماش میرے حصے میں
آ جاتے ہوئے میں نے اُس کا بازو کاٹا اور اِدھر کوٹ میں — ہوسٹل لے گیا۔ سویرے
ہمارا دوست ہے تو اُس کی فیکٹری میں تیزاب کا کام ہوتا ہے۔ بازو تیزاب کے ذرم
ڈالا تو گوشت الگ اور ہڈی الگ۔۔ صاف ستھرا خوبصورت ہڈی یارا۔ کسی ٹیکسٹ بک
اناٹومی بھی نہیں تھا۔ مجھے ایک ایک ہڈی سپارے کی طرح ازبر ہو گئی۔۔ ایمان سے"

"رحمان گل — اگر تمہارے دماغ میں اتفاق سے کوئی اچھوتا دانش مند خیال
ہے تو وہ قید تنہائی سے تنگ آ کر فوراً کوچ کر جاتا ہے — تم موٹی عقل کے مالک ہو"
ان اِظہار اعوان نے دیا تھا اور صرف وہی دے سکتا تھا۔

رحمان گل نے تیوڑھی چڑھا کر اُس کی جانب دیکھا۔ کچھ دیر کے لئے اپنا ذاتی
نابلیڈ مُردے کے اُس حصے میں رکھا جسے وہ چیر رہا تھا کچھ غور و حوض کیا اور پھر اُس نے
مناسب سمجھا کہ اِظہار کے اِس فقرے پر کسی قسم کے رد عمل کا اِظہار نہ کرے۔۔ اَب
تلاش کرتا ہے تو وہ جمے ہوئے خون کے لوتھڑوں میں مل نہیں رہا۔

"میں تمہیں موٹی عقل کا مالک اِس لئے کہتا ہوں کہ تم بنیادی طور پر ایک ذہین
ہونے کے باوجود تاریخ کا شعور نہیں رکھتے۔ تم نتیجہ اخذ نہیں کر سکتے... ایک وہ تاریخ
ہے جو تمہیں نرسری سے پی ایچ ڈی تک رٹائی جاتی ہے اور ایک اُدھر دوسری تاریخ
ہے جس کے بارے میں تمہیں لاعلم رکھا جاتا ہے، تم اُسے جان نہیں سکتے، اُس کا
نہیں کر سکتے۔ اگر کرو گے تو پوری اسٹیبلشمنٹ کمربستہ ہو جائے گی تمہیں برباد کرنے
لئے ہے"

رحمان گل کا منہ کھلا ہوا تھا اور اُس کی حیرت کی کوئی سرحد نہ تھی اور صرف اِس
تھی کہ اُس نے تو صرف مُردے کے ایک حصے کو ہوسٹل لے جانے کی بات کی تھی
مگر اِظہار اعوان کا بچہ تاریخی شعور وغیرہ جیسی مہمل اصطلاحات کا بے دریغ استعمال کر
"یارا میں نے تاریخ ماریخ کی تو کوئی بات نہیں کی —"
"تم نے نہیں کی تو میں کر رہا ہوں — "اِظہار کی سیاہ آنکھیں از حد خشمگیں اور

ناراض تھیں" تم نے کبھی سوچا ہے کہ آج جو ویرانی ہمارے اندر ہے ہمارے شریانوں
— یہ کہاں سے آئی... آج کے اخبار میں تم نے وہ تصویر دیکھی ہے جس میں کرتے شلوار
میں ملبوس ایک بلند قامت نوجوان گولیوں کی چوڑی بیلٹ گلے میں ڈالے بندوق کو کندھے
سے لگائے، نشانہ لگائے بغیر، دو پُر اطمینان سپاہیوں کی موجودگی میں ایک ویران سڑک کے
درمیان تنہا ایک طاقت... ایک ناقابل تسخیر طاقت کی طرح کھڑے ہوئے — جس کے
عقب میں صرف عامل بنگالی بابا — کالے سفلی علوم کے ماہر بنگالی بابا کی ہتھیلی دکھائی دے
رہی ہے — اور وہ فائرنگ کر رہا ہے۔ کیا تم نے وہ تصویر دیکھی ہے خان صاحب... اگر
نہیں تو۔ تم تاریخ کے ارتقا اور اس ارتقا پر اپنی بے بسی کا شعور نہیں رکھتے..."

"چلئے مُردوں کو چیرتے پھاڑتے آپ ذرا — بلکہ ذری کی ذری ہمیں تاریخی
شعور کی آگہی بھی بخش دیجیے —" صباحت خانم نے بور ہو کر یہ بات کی۔

"برصغیر کے مسلمان ایک ابنارمل ریس ہیں —" اظہار نے کہا اور کہنے کے بعد
لاپرواہ ہو کر اپنے مُردے پر جھک گیا لیکن سب کے سب بچر سر اُٹھا کر اُسے دیکھنے لگے۔
مختلف رد عمل ظاہر ہونے لگے۔

"چھوڑو یار اظہار — تمہاری پرابلم یہ ہے کہ تم نے عشق نہیں کیا۔ شراب نہیں
پی۔ اِس لئے تم ذرا میٹر ہو گئے ہو۔ اوٹ پٹانگ اور بے ہودہ ہو گئے ہو۔ کیا میں ابنارمل
ہوں؟ میں داؤد احمد؟"

"ہم پلٹ ہی نہ پڑیں —" صباحت خانم نے موقع غنیمت جان کر اپنا پسندیدہ پٹاخہ
بجایا "اظہار تم ہم تلیروں کے ڈیڈلی مخالف ہو لیکن ہم تمہیں چاہتے ہیں ایسے۔ مرنے والا
کوئی۔ زندگی چاہتا ہو جیسے اِس لئے اعتراض نہیں کرتے اے باریش اور پیارے دوست"

"اوکے۔ اوکے" کمند علی خان نے لچک کر کہا "آج فیصلہ ہو جائے کہ برصغیر کے
مسلمان اگر ابنارمل ہیں تو کیوں ہیں۔ ویسے آپ سب کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ جب
کبھی ہم برصغیر کے مسلمانوں کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں تو اُس میں ہرگز موجودہ پاکستان
کا کوئی خطہ شامل نہیں ہوتا... صرف علی گڑھ لکھنؤ اور بہار وغیرہ مائنڈ یو — کیوں
نورالہدیٰ؟"

"ہاں —" اُس نے صرف اتنا کہا۔

صرف دانش نے ایک گہری آواز میں سنجیدگی سے اِس خواہش کا اظہار کیا کہ اظہار

تھیس کی وضاحت کرے کہ خاص طور پر — برصغیر کے مومنین ہی ابنارمل
ٔ اور ابنارمل کا مطلب ہوتا ہے — بے قاعدہ۔ نقطۂ اعتدال سے دور — عجیب

"ڈیئر بچیر ز — " اِظہار نے خطاب کیا" ہم اِس کانٹیننٹ آف سرے کے
ے ہیں۔ میں اگرچہ فہم میں نراد چودھری کا ہم پلہ نہیں ہوں لیکن یہ ضرور جانتا ہوں
ہم مومنین تھوڑے سے ابنارمل ہیں"
"تھوڑے سے یا مکمل طور پر؟" نور نے سوال اُٹھایا" یہ نکتہ بالکل صاف ہونا
ہے"
"کافی حد تک نورالہدیٰ — میں محمد بن قاسم کے عہد سے شروع کرتا ہوں..
اِس نوجوان کی آمد سے بہت پہلے اِن خطوں میں مسلمان آچکے تھے اور عرب گورنر
راج کرچکے تھے لیکن اِس کے باوجود ہمیں یہ اصرار ہے کہ نہیں محمد بن قاسم ہی برصغیر
وارد ہونے والا پہلا مسلمان تھا... سُوٹ یور سیلف میں اعتراض کرنے والا کون ہوں...
ن کے سامنے اعتراض کرنا یوں بھی دانش مندی نہیں — کیوں دانش؟... بہرحال میں
کے عہد سے شروع کرتا ہوں اگر وہ کوئی باقاعدہ عہد تھا تو... لیکن میں قاسم بھائی کی
میں لپٹی ہوئی بے آرام اور بے سانس موت برداشت نہیں کر سکتا۔ اکثر کِڈز یہ
ہیں کہ اگر محمد بن قاسم سے ہماری تاریخ کا آغاز ہوتا ہے تو کیا اُن کے آنے سے پہلے
ہر طرف پانی ہی پانی تھا —"
"اِظہار بھائی — اگر آپ توقف کر سکیں تو میں — یہ بندۂ ناچیز حقیر پُر تقصیر
عرض کرنا چاہتا ہوں —" یہ کمند علی تھا۔
"آپ بناشک کیجئے — میں نے آج ہی اخبار میں وزیراعظم کا ایک بیان پڑھا ہے
ایک آزاد ملک ہیں — آپ فرمائیے؟"
"اگر آپ ذرا نزدیک آجائیں تو ہمیں آسانی ہو جائے گی — محمد بن قاسم سے
وقتوں تک پہنچتے پہنچتے اِس ڈائی سیکشن ہال کے مُردوں کا زندہ ہونے کا ٹیم آجائے

"درست... اچھا پوائنٹ ہے" اِظہار نے فی الفور اتفاق کیا" ہم 1857ء کو بھی چھوڑ
یں اگرچہ مجھے ہمیشہ قلق رہے گا کہ اگر میرے پردادا یا اُن کے والد گرامی انگریزوں

کے ادنیٰ پٹھو وغیرہ ہو جاتے تو آج میں بھی کسی قانون ساز ادارے یا کسی عظمیٰ عہدے متمکن ہوتا اور میرے والد فتح جنگ میں مونگ پھلی کاشت کر کے یا بچوں کو عربی فارسی درس دے کر میری تعلیم کا خرچہ پورا نہ کرتے... بہرحال آپ کی خواہش کے مطابق ذرا نزدیک آجاتے ہیں... یہ جو آپ لوگ گھربار چھوڑ کر افغانستان ہجرت کر گئے تھے برادر افغانیوں نے جس طور آپ کی "پذیرائی" کی تھی وہ کس سلسلے میں تھی... آج شہید گنج کا گرد دوارہ موجود ہے۔ پاکستان بن چکا ہے۔ تمامتر اختیارات جائز اور مومنین کے ہاتھوں میں ہیں لیکن کسی نے بھی ادھر دھیان نہیں دیا... اِس لئے کہ کسی ہمارے دھیان کا رخ اِدھر نہیں کیا.. ہم انتظار کرتے ہیں کہ کوئی — کوئی اور ہمارے دھیان کا رخ اُدھر کرے... کدھر کرے؟ کسی بھی طرف کر دے ہم نثار ہونے کو تیار۔ شہید گنج کی عصمت کے لئے جو تحریک چلی۔ جو جانیں نثار ہوئیں وہ سب impulsive تھیں جسے Spur of the Moment کہتے ہیں — ایک لمحے کا خیال اور اُس لمحے کے بعد مکمل فراموشی... تحریک پاکستان بھی تو آخری لمحوں کا خیال تھی.. پہلے تو صلح اور آشتی باتیں ہوتی تھیں"

یو آر اے رِسنک — " صباحت نے ناک چڑھا کر اعلان کیا" دیٹ از وہاٹ یو آر

"نہیں میں رسنک نہیں ہوں — میں تاریخ کو اُس کے غیر نصابی اور غیر جذبا تناظر میں دیکھتا ہوں — "

"نہیں نہیں — " کمند علی یونہی شغل کے لئے بولا" برادر اظہار ہرگز رسنک نہیں ہے.. کچھ اور ہے"

"لیکن سب کانٹینٹ کے مسلمان ابنارمل ہیں اور ڈرے ہوئے"

"تم جاری رہو اظہار اعوان — میں جو تمہیں سُن رہی ہوں — " نورالہدیٰ بولی اگرچہ وہ مسلسل مسکرا رہی تھی۔

"یہ ہندوؤں سے زیادہ ہندو ہیں اِسی لئے بنیاد پرست ہو جاتے ہیں۔ اِن کے اندر ابھی تک تمام ترپُت اور براہمنی موجود ہے اور وہ اُس سے خوفزدہ رہتے ہیں۔ ایک ترک کو ایک شامی کو یہ پرابلم نہیں ہے۔ بہرحال... پاکستان بننے کے بعد... میں اپنا بیان بوجہ مختصر کرتا چلا جا رہا ہوں — چند طالب علم لنڈی کوتل سے غیر ملکی مصنوعات کی شاپنگ کر کے لوٹتے ہیں اور راولپنڈی میں اُن کی چیکنگ ہو جاتی ہے اور جناب ایوب کتا ہے کہ

بچّوں کی مہنگائی نے مار ڈالا — فیصل آباد میں ہاکی میچ کھیل کر لڑکے واپس آرہے ہیں
ربوہ میں کھڑی ہوتی ہے تو قادیانی تحریک زور پکڑ جاتی ہے... بھٹو کے خلاف الیکشن
دھاندلی کے الزامات ہیں اور زبردست ری ایکشن ہو رہا ہے.. دوبارہ الیکشن کی ڈیمانڈ
ہے اور کہیں بیچ میں سے چپکے سے تحریک نظام مصطفیٰ آجاتی ہے.. یہ تحریک آج کہاں
ہے میں افغان جہاد کے "ثمرات" کے بارے میں کچھ نہیں کہوں گا.. لیکن کوئی منصوبہ
نہیں ہے.. Impulsive اور لمحے کا خیال، یہی ہماری تاریخ ہے.. چنانچہ آئندہ بھی
ہماری قسمت ہے — لمحے کا خیال"

"کیا ہم ایک قوم نہیں ہیں اظہار اعوان؟" یہ داؤد احمد تھا ایک کھجری اور صحت
کراہت کے ساتھ۔

"ہاں ہم ہیں — آپ سب بچر زیہ فیصلہ کرلیں کہ ہم ہیں یا نہیں ہیں.. کیونکہ
یہ فیصلہ آپ کے ہاتھوں میں ہے — لیکن مجھے شک ہے.. کہ ہم نہیں ہیں"

"یہ کون ہے جو وطن کی عصمت کا رکھوالا نہیں ہے؟" کمند علی خان ٹیک پڑے
نہایت بردباری سے معترض ہوئے۔ "ہم ہیں —"

"میں اُس کا ٹیٹوا دبا دوں گا یارا — جو یہ کہے کہ ہم ایک قوم نہیں ہیں —"

"آپ دبا دیجئے — " اظہار نے صرف اتنا کہا اور رحمان گل کی طرف دیکھا جو
کی خشمگیں نگاہوں کی تاب نہ لا کر فوراً دھیما پڑ گیا اور بولا" ہماری یہ مجال — لیکن
یارا... قوم ووم تو ہم ہیں —"

نورالہدیٰ کی مسلسل مسکراہٹ میں کمی نہیں آرہی تھی اور وہ پھر بولی" ہم آپ
مانیں گے خاں صاحب.. اور یاد رہے کہ آج ہی وزیراعظم نے فرمایا ہے کہ ہم ایک
ملک ہیں.. اِس لئے فائر اوے..."

"یارا میرے مُردے کا تو جگر خراب ہے... میرا خیال ہے اُم الخبائث کا رسیا تھا..."
گل فکر مندی سے بولا۔

"اگر اِس کا جگر خراب نہ ہوتا تب بھی یہ مُردہ ہوتا خاں صاحب — آج نہ ہوتا
کل بعد ہوتا" داؤد احمد سر ہلانے لگا "اناطول فرانس کیا کہتا ہے" تھائیس "میں... ایک
دیکھ کر... یہ مُردہ ہے لیکن اِس نے زندگی بسر کی تھی اور تم زندہ ہو لیکن تم زندگی سے
محروم —"

"میں بھی حیران تھی کہ داؤد بھائی نے ابھی تک" تھائیس "کا حوالہ کیوں نہیں دیا... آفٹر آل ایک ہی تو کتاب پڑھی ہے موصوف نے پچھلے دس برسوں میں" صباحت مسکرائی..

"ہائے ہائے صباحت خانم آپ کی یہ مسکراہٹ دیکھنے کے لئے ہی تو اس خاتون نے یہ حوالہ دیا تھا —" داؤد کا قہقہہ ہولناک حد تک بلند تھا۔

"لیکن ہم موضوع سے ہٹتے جا رہے ہیں خواتین و حضرات اور زندوں کی بجائے مُردوں کی طرف دھیان دے رہے ہیں... رحمان گل ہم آپ کی بیش قیمت آراء سننے کے لئے بے چین ہیں —" نور نے دونوں ہاتھ درخواست کی صورت میں پھیلا دیئے۔

"ہاں —" رحمان گل نے سر جھٹک کر کہا "تو یہ جو ہمارا باریش اور پرہیزگار ساتھی ہے اور کہتا ہے کہ ہم ابنارمل ہیں تو یہ بہت Extreme پر جا کر فیصلہ دیتا ہے۔ قوم تاریخ اور اپنے رد عمل کے بارے میں اپنا مخصوص رویہ رکھتی ہے یارا — اور وہ اور قوم سے مطابقت نہیں رکھتا۔ ہم جو ہیں تو مزاج میں گرم سرد شتابی سے ہو جاتے ہیں اپنے موسموں کی طرح تو ہم بھی ایک مخصوص صورت حال میں اپنے مزاج کے مطابق رد عمل ظاہر کرتے ہیں — مسئلہ وغیرہ تو یہ ہے کہ ہم اپنا موازنہ انگریز بے ایمان کرتے ہیں —"

"بے ایمان تمہارے نینوا... وغیرہ" یہ پھر صباحت تھی۔

"یارا سلسلۂ خیال میں ٹانگ مت اڑاؤ — تو ہم اپنا موازنہ انگریز... سے کر ہیں — ہر شے میں... یارا یورپ میں صرف انگریز اور جرمن ہی تو نہیں اور بھی قومیں ہیں — اپنے اطالوی اور ہسپانوی بھائی جو ہیں تو اُن کا رویہ کیا ہے تاریخ کے ساتھ — کیا وہ آف دی مومنٹ نیشنز نہیں ہیں؟..."

"کیا دل پذیر تقریر ہے —" کمند علی خان کے دونوں ہاتھ خون سے لتھڑے ہوئے تھے ورنہ اُن کا مصمم ارادہ تالی پیٹنے کا تھا۔

"میں نے اپنا آرگومنٹ مکمل نہیں کیا — اجازت ہے اظہار بھائی —" رحمان گل نے اُدھر دیکھا جدھر اظہار ڈائی سیکشن کو فراموش کر کے انتہائی انہماک سے داؤد کھجاتا ہوا اُسے سُن رہا تھا "تحریکیں کسی حادثے یا وقوعے کے حق میں نہیں ہوتیں بلکہ اس وجود کے دفاع کے لئے ہوتی ہیں۔ وہ بادی النظر میں ایک خاص ڈیمانڈ یا ایک خاص

لیکن اُن کے عقب میں نادانستہ طور پر دفاع کی ایک دیوار ہوتی ہے — اگر ہم جانتے ہیں آج ہم یہاں سے ایک اِنچ بھی ہٹے تو ہمیں کل وہ بہت ساری زمین تیاگنی ہو گی جو آج ہمارے قدموں تلے ہے اور اِسی لئے ہم بنیاد پرست ہو جاتے ہیں... مسجد تو بنادی شب بھر تھا — ایمان کی حرارت صرف شب بھر کے لئے تو نہیں تھی یہ تو اپنے ہونے کا اپنے وجود کا اعلان تھا —"

"مجھے میرے سوال کا جواب نہیں ملا —" اِظہار کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"آج تک کسی کو کسی بھی سوال کا جواب ملا ہے —" داؤد پھر ہنسا۔

"اِظہار خاناں تم ذرا غور سے سنتے تو تمہیں مل جاتا —"

"ویل سیڈ —" صباحت نے فوراً کہا۔

"کیا آج نفری پوری ہے —" کمند علی خان نے سر اُٹھا کر تمام بیچرز کے سفید اور آنکھوں کو دیکھا۔ دانش نے بھی نگاہ دوڑائی "ستار نقوی دکھائی نہیں دے رہا —"

"وہ قدرے بکتربند قسم کے علاقے میں قیام پذیر ہے — ایک نظر کھڑکی سے باہر — اور کھڑکی سے باہر ویرانی — جلتے ہوئے ٹائر۔ رینجرز کی گاڑیاں اور آوارہ گولیاں اور ستار بھائی دبک گئے ہوں گے"

"میں نے عرض کیا تھا ناں کہ مجھے میرے سوال کا جواب نہیں ملا۔ اور داؤد تم چپ رہ گئے —" اِظہار نے موضوع سے ہٹ جانے پر ناپسندیدگی کا اِظہار کیا۔

"آہم —" رحمان گل کھانسا — "ایک لمحے کا خیال صدیوں کی سوچ اور نفسانی کے رد عمل پر مبنی ہوتا ہے۔ شہید گنج کا گردوارہ ابھی تک وہاں موجود ہے تو اِس لئے کہ اب باگیں ہمارے اپنے ہاتھ میں ہیں اور ہم ایک وسیع اگرچہ نان پریکٹیکل دل رکھتے تھا کہ کل جس کے لئے ہم جانیں قربان کر رہے تھے آج چونکہ ہمیں کوئی کامپلیکس نہیں ہے اس لئے... یہ مسئلہ حل ہو چکا ہے۔ تحریک پاکستان بھی ناانصافی کے خلاف ایک رد عمل تھا اگر یہ کہا گیا کہ پاکستان تو دراصل ہندوؤں نے بنایا تو ایسا غلط نہیں کہا گیا یارا... یہ سپر آف دی مومنٹ نہیں تھا — بہت برسوں کے اِنکار جمع ہو کر اِس کلائمکس پر آئے تھے.. ایوب کے خلاف جو کچھ ہوا وہ ایک اوپننگ تھی جیسے گیس پائپ کہیں سے لیک کر جاتی ہے اور وہاں شعلے بلند ہونے لگتے ہیں۔ قادیانیوں کے بارے میں بھی ہم نے — یا ہمارے نمائندوں نے کبھی سمجھوتا نہیں کیا —"

"اور جو کچھ اُن کے ساتھ اب ہو رہا ہے؟ جو برتاؤ عظیم ڈاکٹر عبدالسلام سے کیا
وہ انصاف ہے؟"

"یہ ایک الگ موضوع ہے —" رحمان گل پھر اپنے مُردے کی طرف رجو
دینے لگا" سارے سوالوں کے جواب دینے کا ٹھیکہ رحمان گل کے پاس نہیں ہے —
ہوئی بارشِ سنگ" اور شعلہ عشق سیاہ پوش ہوا میرے بعد —"

شوبھا جھکی رہی —

شوبھا جھکی رہی اور گاڑھے سیاسی مائل گوشت کی طرح ہی ٹھنڈے سکڑے ہو
خون میں اُسے وہ رگیں نہیں مل رہی تھیں جن کی اُسے تلاش تھی — وہ سب کچھ م
رہی تھی لیکن اُس کا دھیان اُدھر لیاری کے اُس برآمدوں والے سکول میں تھا جس
ایک برآمدے میں بابا چاک، ہاتھ میں لئے اپنے سامنے چٹائیوں پر بیٹھے بیزار اور بھو
شکلوں والے اُن بچوں کو دیکھ رہے تھے جن کے بال کسی ایک ہی نائی نے ایک ہی مشی
سے تراشے تھے اِنہیں مختلف سائز کے تربوزوں میں بدل دیا تھا اور وہ اپنے آس پاس
بے خبر شوبھا کو بھی بھولے ہوئے اُنہیں مطالعہ پاکستان کے کسی باب کے بارے میں سمجھا
کی کوشش کر رہے تھے۔ شوبھا نے اِنہیں دیکھا تھا — آج اُنہیں سکول جانے کی ضرور
نہ تھی — ویسے تو شوبھا کو بھی یہاں آنے کی ضرورت نہ تھی — برآمدے کے آخر
ستون کے ساتھ جس کا پلستر جابجا اکھڑا ہوا تھا اُن کی سپورٹس سائیکل ٹیک لگائے اُن
طرف دیکھ رہی ہو گی۔

وہ اپنے بابا کے بارے میں فکر مند ہو رہی تھی اور اُس کا دل مٹھی میں آتا تھا فکر
مندی سے اور اِسی لئے وہ رگیں سرد خون کے انجماد میں تلاش کرنے پر بھی نہیں مل رہ
تھیں اور اُس کے ہاتھ کانپتے تھے۔

فارملین کی بُو میں تادیر کوئی بات نہ ہوئی۔

"یارا اب میں سوال پوچھتا ہوں۔ یہ مارکٹائی یہ جھگڑا لگڑا کدھر سے آ گیا؟ پہلے
امن و امان تھا — کدھر سے آ گیا؟"

"میرا خیال ہے تم تشدد کی بات کرتے ہو —"

"وہی وہی —"

"کراچی اور تشدد — جسے کہتے ہیں کہ چولی دامن کا ساتھ —" اِظہار سب

بات ناگواری میں ہی بولا" اردو کے محاورے بھی کتنے واہیات ہوتے ہیں... چولی اِن ڈیڈ
"خواتین کے ہاتھ اپنے ٹکس درست کرنے کے لئے اُٹھے اور رُک گئے۔

"غزہ — موسک آف دی پٹیرچ — نیزرتھ — اور بائی دے رِور آف اردن —" داؤد نے حسب معمول غیر سنجیدگی سے سب کو آنکھوں میں شرارت کی چمک لئے دیکھا، اپنی ناک کو دونوں اُنگلیوں میں کس کر جھٹکا دیا اور پھر ورزش کرنے کے انداز میں دونوں بازو ہوا میں پھیلائے۔

"فلسطین نے تشدد کو جنم دیا۔ اگر فلسطینی نہ ہوتے تو ہم سب امن اور چین اور سکھ کی بانسری وغیرہ اگرچہ بے سُری لیکن بجا رہے ہوتے —"

"ہمارے بھائی ہیں یارا —" رحمان گل نے اِسے گھورا۔

داؤد نے سینے پر ہاتھ باندھ دیئے" میرے بھی ہیں —"

"اور میری بھی ہیں —" صباحت نے زبان کا پٹاخہ چلا کر تائید کی۔

"تم بات کرو داؤد —" اِظہار نے اُنگلی اُٹھا کر اُسے جیسے حکم دیا" یہ لوگ ہمیشہ اپنی تاریخ سے روگردانی کرتے آئے ہیں اور اِس مسخرے پن کے رویے نے اِنہیں قوم نہیں ایک مذاق بنا دیا ہے"

"تھینک یُو یار —" داؤد نے پھر سینے پر ہاتھ باندھ کر جھُک کر سر ہلایا" تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ سراسر قصور فلسطینیوں کا ہے۔ اُنہوں نے قوت کو اور بین الاقوامی غنڈہ گردی اور ناانصافی کو "یس سر" نہیں کہا اور امن کی شاخ اور فاختہ وغیرہ سے روگردانی کرتے ہوئے احتجاج کیا۔ اور اِسی احتجاج سے تشدد اور دہشت گردی کی پہلی کونپلیں پھوٹیں — وہ ذمہ دار ہیں۔ محمود درویش بھی درویش نہ رہا — پین ایم کے بلاسٹ ہوتے ہوئے طیاروں کا منظر — مجھے تو اتنا حسین لگا تھا کہ میں اُس کے عشق میں مبتلا ہو گیا تھا اور پھر ڈارلنگ لیلیٰ خالد — اُنہوں نے راستہ دکھایا ورنہ ہائی جیکنگ سے کون واقف تھا — یہی ذمہ دار ہیں —؟"

"اور تم سمجھتے ہو کہ اُن کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوئی۔ تاریخ کی سب سے بڑی ناانصافی — بلکہ غنڈہ گردی اُن کے ساتھ نہیں ہوئی؟" دانش کی گہری پاٹ دار آواز ہال میں گونجی۔

"اگر ایسا ہوتا تو برادر یاسر عرفات آگے بڑھ کر انکل کلنٹن اور بھائی اِسحاق سے

دست پنجہ نہ لیتا ـــ" داؤد بولا "بہرحال یہ آغاز تھا پھر خیر سے افغانستان آ گیا ـــ"

"جہادِ افغانستان ـــ" رحمان گل نے لقمہ دیا۔

"جی بالکل۔ اور اِس کے فال آؤٹ سے آپ آگاہ ہیں.. ہیروئن۔ کلاشنکوف ایسے جنرل جنہوں نے پاکستان کے لئے کچھ نہیں کیا لیکن وہ فاتح افغانستان تھے ـــ ا جینئس جنہیں اپنے ملک کی خبر نہ تھی اور وہ افغانستان کے چپے چپے کو جانتے تھے اور جا آباد میں آباد تھے ـــ"

"ہاں داؤد ـــ" دانش سر ہلا رہا تھا اور تاسف اُس کے چہرے کو مزید سیاہ تھا "ہم نے ایک شاندار جہاد کیا۔ ہماری فوج کا رُخ اِدھر کی بجائے اُدھر ہو گیا اور ہم نے زمین کی مُحبت محسوس نہ کی۔ ہم افغانستان کے بارے میں پُر تشویش رہتے تھے ـــ"

"میری خواہش ہے کہ ـــ" شوبھا نے بالآخر بولنے کی کوشش کی "کہ ـــ"

ـــ پتہ نہیں میری کیا خواہش ہے"

"ہاں ـــ" اِظہار نے رحمان گل کو پہلی بار گھور کر نہ دیکھا "اپنے وطن میں ہتھیار ڈال دیتے ہیں اور دوسروں کی زمین کے لئے ہم ہتھیار اُٹھا لیتے ہیں ـــ"

سٹریچرز چونکہ قدیمی ہو چکے تھے اِس لئے اُن کے پہیّوں کو جوڑوں کا درد لاحق اور وہ بہت آواز کرتے تھے اور ڈائی سیکشن ہال میں بچرز کی بک بک کے علاوہ خاموشی تھ اِسی لئے ایک سٹریچر جب چُوں چُوں چرخ چُوں کرتا اندر آیا، خود بخود تو اندر نہیں آ اُسے بابا ننھے میاں بمشکل دھکیلتا اندر لا رہا تھا اور بابا ننھے میاں کا سٹریچر ہمیشہ ایک لاوارث لاش کو جھلاتا ہوا اندر آتا تھا ـــ تو وہ سٹریچر اندر آیا۔

بچرز نے بک بک منقطع کر کے اُدھر دیکھا اور مسرت سے مغلوب ہو کر اُدھر دیکھ کہ شائد چیر پھاڑ کے لئے ایک اور مردہ دستیاب ہو جائے۔

"یہ میرا ہے ـــ"

"نہ جی ـــ" کمند علی خان بولے "ہم نے تو ایڈوانس بکنگ کروا رکھی ہے ـ اَب ہماری باری ہے"

شوبھا نے آگے ہو کر اُس کا معائنہ کیا ـــ

ستار نقوی نے کہا تھا کہ مُردے انتظار کر سکتے ہیں زندہ نہیں۔

چنانچہ ستار نقوی اُس چرخ چُوں سٹریچر پر منہ کھولے انتظار کر رہا تھا اور ایک نجمہ

ے کی طرح لگ رہا تھا۔ اُس کا چہرہ صاف تھا، کوئی زخم نہ تھا — نیچے بدن میں جانے والی تھیں ایک یا شاید دو... راہ سے بھٹک جانے والی گولیاں تھیں اور وہ مُنہ کھولے انتظار رہا تھا۔ اس کھلے مُنہ میں تالو اور دانت بھی موت کی زردی میں ڈوبے ہوئے تھے۔

وہ پیچھے ہٹی اور اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر دوہری ہونے لگی۔

"شوبھا —" اظہار سب سے پہلے آگے آیا۔

"ارے ارے —" کمند علی خان اُس کا بازو تھاما "طبیعت ناساز ہو رہی ہے کیا؟"

نورالہدیٰ نے شوبھا کو نہیں سٹریچر پر اکڑی لاش کو دیکھا اور اُس کے چہرے کی پہچان ر ایک ہچکی بھر کر گلے پر ہاتھ رکھ کر اُسے دباتے ہوئے پیچھے ہو گئی۔

باری باری سب بچر ز کے چہرے زرد ہو گئے اُس کے تالو کی زردی کی طرح.....

شوبھا اُن کے ہاتھوں اور سہاروں سے ٹوٹ کر الگ ہوئی اور اُسی طرح پیٹ پر ہاتھ رکھے دوہری ہوتی ہوئی اندھا دُھند بھاگتی ہوئی ہال سے باہر نکل گئی... باہر دنیا وہیں کی وہیں تھی اور دھوپ چمک رہی تھی۔ اُس کے اندر جو کچھ تھا باہر آنے لگا.. اس کے بدن کا سَرو اس کی قے کے دھچکوں سے جھولتا اور زمین کی سطح تک جھکتا چلا جاتا تھا۔ آنکھوں میں سے نکلتا پانی رخساروں پر راستے بناتا قے کے ڈھیر پر گرتا تھا۔ وہ ناک صاف کرتی اور ایک بیمار بکری کی طرح ڈکراتی وہیں بہت دیر جھولتی رہی اور اپنے آپ کو بحال کرنے کی کوشش کرتی رہی — وہ اُٹھی تو اُس کی ٹانگوں میں جان نہ تھی۔

فوکسی فوراً سٹارٹ ہو گئی۔

اگرچہ وہ کچھ دیر پہلے اُسی سناٹے اور خالی پن میں سے گذر کر کالج پہنچی تھی لیکن اب اُسی میں دوبارہ داخل ہوتے ہوئے وہ جھجکی۔ اِس سناٹے کے اندر کوئی ٹوٹنے والی شے تھی جو شائد اُس کی فوکسی کی پھٹ پھٹ سے ریزہ ریزہ ہو سکتی تھی... اُس کی کرچیاں بم بٹرز کی طرح فضا میں اُڑ سکتی تھیں — اُس کی آنکھوں سے پانی بہتا جاتا تھا اور وہ بار بار اُسے ہتھیلی کی پشت سے صاف کرتی لیکن گدلی وِنڈ شیلڈ کے آگے جو کچھ دکھائی دیتا تھا ایک آبی پردے کے آگے دکھائی دیتا تھا.. راستے دھندلا رہے تھے۔

ایک چیک پوسٹ پر وہ رُکے بغیر پوری رفتار سے گذر گئی۔ بیک وِیو مرر میں چند حرکت میں آتے ہوئے وردی پوش اور اُن کے بے یقین چہرے دکھائی دیئے اور پیچھے رہ گئے۔ مرڈر شل بریڈ مرڈر ٹِل دے اینڈ آف ہسٹری — آ وِیٹ اِن دے نیم آف جسٹس۔

یہاں کراچی میں مرڈر بریڈ کرنے کی سب سے بڑی انڈسٹری اس مملکت خداداد
اللہ کے فضل سے قائم ہو چکی تھی۔

وہ پہلا قتل کس نے کیا تھا جس نے دوسرے قتل کے لیے انصاف کا جواز مہیا
— یقیناً ستار نقوی نے نہیں۔

دُور ایک چوراہے کے درمیان میں سے اور اُس چوراہے کی دُوری بتدریج
ہوتی جا رہی تھی، جلتے ٹائروں کا دھواں اطمینان اور سکون سے آسمان کو اُٹھتا تھا — کہ
سے اُٹھتا تھا؟ چوراہے کے بیچ میں سے اٹھتا تھا۔

فوکس کے بس میں جتنی رفتار تھی وہ شائد اس سے بھی تیز جا رہی تھی اور وہ
ہتھیلی کی پشت سے آنکھوں کو پونچھنے کو تھی جب اُس نے دھویں کے برابر میں سے
ہوئے ٹائروں کے قریب کھڑے ایک ٹین ایج لڑکے کو سپاٹ کیا، نرم رخساروں اور بکھرے
پریشان بالوں والے ایک ایسے لڑکے کو سپاٹ کیا جو ایک منی ایچر کلاسس آف رہوڈز
مانند اطمینان سے ٹانگیں پھیلائے کھڑا تھا اور اُس کا ایک بازو گویا سلو موشن میں آہستہ
آہستہ اوپر اُٹھ رہا تھا اور جب وہ بازو سیدھا ہوا تو اُس کے اختتام پر جو اُنگلیاں تھیں اُن میں
ایک اُنگلی اُس پستول کی لبلبی پر تھی جسے وہ تھامے ہوئے تھا — اور اُس کی نالی فوکس کی
وِنڈ شیلڈ پر فوکس ہو رہی تھی — شوبھا نے جان بوجھ کر نہیں ایک اداس اور بے پروا
اضطراری حالت میں ایکسلریٹر کو مزید دبا دیا — وہ لڑکا بازو سیدھا کیے نشانہ باندھے
وِنڈ شیلڈ میں آنے کے لیے بڑا ہوتا گیا اور بالآخر شوبھا اُس کی ہلکی موچھیں اور لرزتے
ہونٹ ایک بگ کلوز میں دیکھ سکتی تھی جب ایک ڈھکی ہوئی دھپ کی آواز آئی اور
دوسرے لمحے وہ جلتے ٹائروں کے چوراہے سے دوسری جانب ایک اور سنانے میں داخل ہو
چکی تھی — اُس کی وِنڈ شیلڈ سلامت رہی تھی۔ بیک وِیو مرر میں اُسے منی ایچر کلاسز آف
رہوڈز سڑک پر گرا ہوا دکھائی دیا... پستول ابھی تک اُس کی اُنگلیوں میں پھنسی ہوئی تھی
اُس نے دیر کر دی تھی۔

ہم اپنے آس پاس سے کب تک لاپرواہ رہ سکتے ہیں — جب تک کہ آپ کے
اپنے کلیجے پر ہاتھ نہیں پڑتا — مرڈر شل برید مرڈر —

لیاری ایک بے آسرا منظر تھی۔

بے ترتیبی، گندگی، غربت حیوانی سطح کی — کسی بھی سطح کی انسانیت کی رہائش کے

ہنوز دنیت... آپ تب یقین کرتے تھے جب اُسے دیکھتے تھے۔

بازار بند تھے۔ مرزے یار کی غیر موجودگی میں بھی گلیاں سُونی تھیں۔ ایک دوکان کے بم دا دروازے میں سے قمیض تیری کالی سوہنے پھلاں والی — باہر ایک خوفزدہ حالت میں سنائی دے رہی تھی۔ برآمدوں والے سکول کی پوری عمارت خاموش اور خالی تھی — کوئی بھی نہ تھا... لیکن وہاں آثار تھے کہ یہاں تھوڑی دیر پہلے کچھ آبادی اور کچھ شور تھا۔ شوبھا نے برآمدوں کا ایک چکر لگایا... ایک بلیک بورڈ پر — مسلمان ایک اُمت ہیں... گھسا ہوا سفید چاک اور ایک ڈسٹر... وہ فوکسی کی عافیت میں واپس آ گئی — بابا راستے میں ہوں گے، اُسی چوراہے میں سے گذریں گے جہاں ٹائر جل رہے ہیں اور کلاس آف ہوا گرا پڑا ہے۔ یا شائد اُس کی جگہ ایک اور نین اینج کلاسن نے لے لی ہے اور وہ اُٹھائے اپنی جانب آہستگی سے سفر کرتے سپورٹس سائیکل پر جھکے بابا کا منتظر ہے۔

تنگ گلی میں سے کار بیک کرتے ہوئے اُسے بہت دیر لگی۔

اور ایسا ہی تھا —

وہ آس پاس سے لاتعلق سپورٹس سائیکل کے ہینڈل پر جھکا اپنے آپ میں مگن اور بے پرواہ ایک مخصوص دباؤ کے ساتھ پیڈل مارتا اُس چوک کے نزدیک ہو رہا تھا اور وہ ہواں تو تب دیکھتا اگر نگاہ اُٹھا کر سامنے دیکھتا اور تب اُس کے عین پیچھے شوبھا نے بریک پر پاؤں رکھ کر ہارن پر ہاتھ رکھ دیا اور اُسے بے تابی سے مسلسل بجانے لگی۔ وہ کسی بھی بات پر قطعی طور پر متوجہ ہونے کی صلاحیت نہ رکھتا تھا لیکن اُس کے کان اس ہارن سے آشنا تھے اور ہمہ وقت منتظر رہتے تھے... مردان خان نے فوراً پاؤں سڑک پر رکھ کر سائیکل روکا اور مڑ کر دیکھا... اس دوران شوبھا ایک مکمل طور پر حواس باختہ شخص کی طرح جو وہ تھی تیزی سے کار سے اُتری اور مردان کے پاس دوڑتی ہوئی آئی... اُس نے اُسے کچھ نہیں کہا لیکن پوری قوت سے اُس کی آستین پکڑ کر اُسے سائیکل سے الگ کیا اور زیادہ دھکیلتی ہوئی کار تک لے گئی "آپ بیٹھیں بابا —"

"کیا ہو گیا ہے؟"

"آپ بیٹھیں —"

اُس کے لہجے میں اتنا حکم تھا کہ وہ یقین نہ کر سکا کہ یہ دھیمی آواز والی شوبھا ہی

وہ چپکے سے بیٹھ گیا۔

شوبھا اُسی مخبوط الحواسی میں واپس گئی اور سائیکل اُٹھالائی اور اُسے کیریئر پر رکھ دیا جہاں وہ کسی ایک دھچکے سے آسانی سے گر سکتی تھی اور پھر اپنی نشست پر بیٹھ کر چابی گھو دی۔۔

"کیا ہو گیا ہے؟" مردان نے پھر کہا "میں تو کچھ حیران پریشان اور کچھ بگ بیابان۔"

"ہاں —" شوبھا نے ایک مرتبہ پھر ہتھیلی سے اپنی آنکھوں کو پونچھا۔

"کچھ ہوا ہے —" مردان واقعی پریشان۔

"نہیں —"

اگرچہ تینوں بیرکوں کی جانب جانے والا کچا راستہ بھی شہر کی طرح ویران تھا لیکن جونہی فوکسی کے ٹائر اُس پر آکر دُھول کو اتھل پتھل کرتے اُس کے ذروں کے غبار کو ہوا میں بلند کرنے لگے تو شوبھا نے مدتوں بعد ایک گہرا سانس لیا جو اُس کی بدن کی ہر رگ اور ہر نس میں گیا۔ مردان نے اس کے حواس کی واپسی کو محسوس کیا اور بھنچی ہوئی ہتھیلیوں کو کھول دیا۔

بیٹ مین بشیر صبح سے بے آرام اور بے چین تھا اور بار بار کانوں پر لٹکتی ہوئی جھالر میں اُنگلیاں چلاتا تھا اور بیرک سے نکل کر کبھی برآمدے میں کھڑا ہوتا تھا کبھی وہاں سے نکل کر کچے راستے پر کسی واضح مقصد کے بغیر چلنے لگتا تھا — رُکتا تھا — ہاتھ آنکھوں پر جما کر وہاں تک نگاہ دوڑاتا تھا جہاں سے تارکول کی سڑک میں سے یہ دُھول راستہ الگ ہوتا تھا اگرچہ وہ مقام نظر کی اختتامی حدود سے بہت پرے تھا — اور پھر جھالر میں کھجلی کرتا ہوا برآمدے میں واپس آ جاتا تھا بالآخر اُس نے دُھول کا غبار دیکھا — جس میں اُس کی جانب سفر کرتی فوکسی نظر تو نہ آئی تھی لیکن وہ اُس کی دُھول کے پھیلاؤ کو دیکھ کر جانتا تھا کہ اس کے اندر ملفوف شوبھا کی فوکسی ہو گی۔

اُس نے ایک شانت سادھو کی طرح بیرک میں آکر چائے کے لیے پانی رکھا اور انتظار کرنے لگا۔

حیرت انگیز طور پر بلکہ حیرت ناک طور پر بھی سپورٹس سائیکل بغیر کسی بندھن کے کیریئر پر مسلسل کھسکتی اور جھولتی ہوئی گم ہوئے گرے بغیر ابھی تک وہیں قائم

"تم نے زندگی میں پہلی مرتبہ کسی سٹریچر پر ایک عام، بے نام، بے تعلق جسم کی
ایک ایسے اکڑے ہوئے جسم کو دیکھا ہے جسے تم پہچانتی تھیں اور تم نے شوبھا اُس
کو چلتے پھرتے ہنستے اور آنکھیں جھپکاتے اور کبھی تم پر — ایک توصیف بھری نظر
بھی دیکھا تھا — انسان صرف اُس روز مکمل ہوتا ہے جب وہ اپنے کسی عزیز کی لاش
دیکھتا ہے... اس سے پیشتر وہ اپنے آپ کو اپنے جاننے والوں کو ہمیشہ کے لیے وجود میں
برقرار رہنے کے لائق سمجھتا ہے اور بقیہ دنیا کی فنا سے الگ سمجھتا ہے — صرف اُس روز
جب وہ کسی عزیز، کسی دوست، کسی جاننے والے کو بے جان اور نیم وا فرائی انڈے کی بے
زردی ایسی آنکھوں کو دیکھتا ہے۔ آنکھیں جو متوجہ نہیں ہوتیں، لاتعلق رہتی ہیں..
آپ دیکھتے ہیں وہاں نہیں دیکھتیں اور کھلے منہ کے اندر تک کی زردی بے جان ہوتی
اور وہ غسل دیتے ہوئے بے اختیار ایسے ہلتا ہے جیسے کسی جوہڑ میں تیز ہوا کے چلنے
لہروں کے زور سے کوئی ایک سرکنڈہ ہلتا ہے... تب وہ مکمل ہوتا ہے۔"

"شائد وہ کوئی اور ہو —"

"موت میں سب کوئی — اور ہو جاتے ہیں۔ زندگی اور موت میں کیسے لامتناعی
فاصلے ہیں — یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ موت میں بھی انسان وہی رہے جو کہ وہ تھا —
آج مکمل ہوئی ہو —"

وہ سب بہت احتیاط سے اور بہت چوکنے ہو کر لیکن دِلوں میں پردیس کے خوف
— اپنے بچوں سے دوبارہ ملنے کی آس لیے، جیسے کینچوؤں کی طرح رینگتے ہوئے —
بیرکس کی طرف جا رہے تھے — ایک رپورٹ آئی تھی۔ اُن کے بھاری دوستوں
ایک رپورٹ دی تھی جو ذہن میں یقین کے لیے جگہ تو نہیں بناتی تھی لیکن — وہ
ہو کر بیرکوں کی جانب سازشی اندھیرے میں اور جیسے ایک دشمن ملک میں بیرکوں کی
بڑھتے تھے۔

اور بڑھتے ہوئے وہ ٹھٹکے تھے، یکدم رُک گئے تھے۔

اُن کی نظر میں کچھ خرابی تھی۔

اس بن یا بنگال میں کچھ بھی ٹھیک نظر نہ آتا تھا۔ ہر شے اُلٹی تھی۔ اور اُن کی
وہ سب اُلٹے نظر آتے تھے۔ کھلنا بیرکوں کے شہتیروں سے لٹکے ہوئے — اُنہیں اپنی
مرضی سے شہتیروں کے ساتھ بندھ کر اُلٹے لٹکنے کی کیا ضرورت تھی — وہ تقریباً
پلٹنیں تھیں۔ وہ جب یکدم رُکے تھے تو اُن میں شرمندگی بہت تھی اور وہ اُدھر نظر بچا کر
دیکھتے تھے صرف اس لیے کہ اُن کے ستر نہ تھے اور اُن کے تن بدن پر کچھ نہ تھا —
مادر زاد ننگے لٹکتے تھے۔ شائد اُنہیں ننگے کہنا بہت مناسب نہ تھا کیونکہ اُن کے نفس کٹے
ہوئے تھے اور وہاں صرف خون کے لوتھڑے تھے اور اُن کے کان بھی نہیں تھے اور ناک
صرف دو سوراخ تھے اور خون تھا جما ہوا — اُنہیں بے خبری میں مُکتی باہنی نے آلیا تھا اور
پورے بنگال کا بدلہ اُن کے کانوں، ناکوں اور نفسوں سے لیا تھا۔

وہ ایک عجیب بے ہنگم ردھم کے ساتھ اُلٹے جھولتے تھے۔

ہر ایک کے سر میں ایک سودا تھا — ایک سوراخ تھا جس پر سیاہ خون کے پپڑیاں
جمے ہوئے دھبے تھے —

کیپٹن مردان سب سے پہلے اپنی فورس سے الگ ہو کر اُن کے قریب ہوا تھا۔ اور
وہاں اُس نے اپنی گردن ٹیڑھی کر کے اُن کے خدوخال پہچاننے کی کوشش کی تھی۔ بہت لمبے
والے اور کڑیل جوان جنہیں جنگ کا چارہ بنایا گیا تھا۔

کھلنا بیرکس میں وہ بے بس پتلیوں کی طرح اُلٹے لٹکتے تھے — اپنے کچھ اعضا کے
بغیر۔

کیپٹن مردان ہونٹ بھینچے ضبط کئے ہوئے گردن ٹیڑھی کر کے جھکا ہوا اُن کے
چہروں کے مقابل ہوتا ہوا چلتا جا رہا تھا جب اُس نے کیپٹن علی شیر کے کھلے منہ اور بغیر کانوں
کے اور بغیر ناک کے چہرے کو دیکھا — شائد اُس شے کو کچھ اور کہتے ہوں جو ناک اور
کانوں کے بغیر ہوتا ہے — چہرہ شائد نہیں —

یہ لوگ ظلم کرنے نہیں آئے تھے —

کیپٹن علی شیر تو بالکل نہیں۔ اُسے تو جیمز ڈین پسند تھا
Rebel without a cause پسند تھی لیکن وہ ہمیشہ کاز کے لیے ریبل کرتا تھا اعتراض
کرتا تھا — ہمیشہ انکار کرتا تھا۔ اس نے اپنی ملازمت کی حدود سے ذرا باہر قدم رکھ کر بھی
مشرقی پاکستان آنے سے انکار کیا تھا اور صرف کمانڈنگ آفیسر کے دل میں اُس کے لیے

تھا صرف اُس کی بدولت کورٹ مارشل سے بچا تھا...
مردان یار تم نے نذرل اور ٹیگور کو نہیں پڑھا تم رٹو طوطے صرف اقبال پر اڑے
ہو۔ یار ادھر ان کی نرمی اور گداز دیکھو... لگتا ہے انسان کے اندر جو کائنات ہے اس
اندر ایک حیرت اور حسن کا سفر ہے.. اردو ترجمے کے باوجود ذرا دیکھو کہ ٹیگور کی "راج
ہنس کی پرواز" کا آغاز کیسے ہوتا ہے...

دریائے جہلم کی چکر کھاتی ہوئی لہریں
ایک خمیدہ تلوار کی طرح شفق کے رنگوں میں چمکتی ہوئیں
تاریکی میں مدغم ہو رہی ہیں..

اور پھر کہتا ہے..

میرے گیت پانی کے پودوں کی طرح ہیں..
وہ اُسی مقام پر ساکت نہیں رہتے
جہاں وہ جنم لیتے ہیں
اُن کی تو جڑیں نہیں ہیں
صرف پھول اور پتے ہیں
روشنی کی سرخوشی میں
وہ لہروں پر رقص کرتے ہیں...
نہ اُن کا کوئی گھر ہے نہ دولت
وہ ناآشنا مہمانوں کی ح ہیں
کوئی نہیں جانتا
کب وہ آتے ہیں
اور کب چلے جاتے ہیں...
میرے گیت پانی کے پودوں کی طرح ہیں..

کیپٹن علی شیر بھی وہاں تھا۔ ٹیگور کا راج ہنس ایک پُتلی کی طرح برہنہ۔ لٹکتا ہوا

— منہ کھلا۔ ناک نہیں کان نہیں اور کچھ بھی نہیں... وہاٹ اے سائٹ۔

مردان اُسی روز مکمل ہوا تھا۔

اور اُس سے اگلے روز ٹکا خان نے کہا تھا کہ مجھے بنگالی نہیں بنگال کی ز

— شوٹ دے باسٹرڈز... بچرز آل آف دیم۔

"بابا — ہی لکڈ سو سٹرینج —"

"ڈیتھ اِز اے سٹرینج بزنس شوبھا ڈارلنگ — موت سے تمہاری کبھ
نہیں ہو سکتی" مردان نے اُس کے ماتھے کو اپنے لبوں سے گیلا کیا اور تسلی دی "
کبھی مفاہمت نہیں ہو سکتی.."

شائد وہ بھی مکمل ہو گئی تھی اس لیے — اُس کے ذہن میں جو سوال گ
تھے، جو وہ پوچھنا چاہتی تھی، دریافت کرنا چاہتی تھی، وہ سب کچھ پہلے ایک جھجک
اجتناب میں پوشیدہ تھا اور اب ظاہر ہونا چاہتا تھا — اور اسی لیے اُس نے اپنی سیا
کھول کر کہ جنہیں آنسوؤں نے بہت صاف اور سیال کر دیا تھا اُس سے پوچھا —
کبھی ماں کے بارے میں بات نہیں کرتے —"

مردان کا بدن ٹھٹکا — جیسے جھاڑیوں کو ایک ہاتھ سے ہٹاتے شکاری
یکدم سامنے کسی جانور کی تیز چمکتی آنکھیں اُسے گھور رہی ہوتی ہیں.. وہ کچھ دیر
خاموشی میں رہا... ایک منجمد نیم مسکراہٹ کے ساتھ جو خوشی غمی کچھ بھی ظاہر
تھی اور اپنی مرضی سے خواہش سے بولنے لگا" — میرے ابّاجی چوہدری اللہ دا
مرتبہ ملازمت کے سلسلے میں مشرقی پاکستان گئے اور اُن دنوں پنکھوں والے جہا
کرتے تھے تو میں نے انہیں اپنا باکس کیمرہ تھما دیا کہ ابا جی — وہاں کی تصویر
لانا... یاد رکھئے گا کہ بٹن دباتے وقت سورج آپ کی پشت پر ہونا چاہئے اور ایک
کر فلم آگے کرنا نہ بھولئے گا...

وہ واپس آئے تو اُن کے سامان میں بانس کی خوبصورت ٹوکریاں اور انا
بھرے ہوئے ٹوکرے تھے اور چند آؤٹ آف فوکس تصویریں تھیں... اور ان
سے دوہرے ہوتے ہوئے پام کے درخت تھے اور کسی سمندر گمان دریا میں بہ
بادبانوں والی کشتیاں تھیں — بس میرے لیے اُن دنوں مشرقی پاکستان جو اُن دنو

صرف یہی تصویر تھا... اور جب میری پوسٹنگ ہوئی تو — میں نے اپنی
تیز ہواؤں اور برساتوں میں جھکے ہوئے وہی بلند پیڑ دیکھے اور انہیں دیکھتے
سرخ سکارف بھی ایک پام کے پتّے کی طرح اُڑتا تھا... اور میں نے وہ کشتیاں بھی
بوڑھی گنگا میں ایک مطمئن اور شانت انداز میں تیرتی ہوئیں..."

"اتنی ساری گفتگو میں ماں تو کہیں نہیں آئی —"

"وہ بھی وہیں تھی.... میں یونٹ کی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھنے کی بجائے نزدیکی
کی مسجد میں جایا کرتا تھا... ابھی حالات وہ نہ تھے جو بعد میں ہوئے لیکن آہٹوں کا آغاز
تھا اور وہ سب مجھ سے پرے پرے رہتے — پھر آہستہ آہستہ وہ میرے قریب
اور میرے اپنے جو تھے میرے بہت قریب ہوئے۔ مولوی احتشام الدین... مجھے ایک
گھر لے گئے.. وہی پھونس کا جھونپڑا، ایک تالاب، ناریل سپاری اور تاڑ کے چند درخت
اس سادگی میں ایک قناعت اور ٹھہراؤ... مولوی صاحب اکثر اپنے ہارمونیم پر مجھے نذرل
گیت سناتے —"

"Really Baba?"

"ہاں — اور تمہاری ماں بھی وہیں تھی —"

اُن کے درمیان ایک خاموشی آئی جس کے اندر ایک کیفیت بھرے اندھیرے
جیسے کونپلیں پھوٹ رہی تھیں — ایک جنگل جس کے پات اور ڈال معدوم ہو چکے
صرف کونپلیں دکھتی تھیں جو پھوٹتے ہوئے دھیرے دھیرے سر اُٹھاتی تھیں۔ کوئی
کونپل ایسی پھوٹتی کہ اُس میں صرف ایک ناخن برابر پرندہ ہوتا کسی ایک رنگ کا —
اور اس نادیدہ جنگل کے بھید میں ایک اور کونپل اٹھتی تو اُس کی گود میں سے ایک
پرندہ ایک اور رنگ کا چونّی جتنا بچے کی طرح کلکاریاں مارتا اُڑتا۔ یہ سب کچھ ایک رُکتی
آہستگی سے ہو رہا تھا، ایسی ردھم میں تھا جو خون کے بہاؤ اور ذہن میں قبولیت کے سطح
کے ساتھ ساتھ آہنگ میں ہوتی جاتی ہے — پھر ایک اور پرندہ، ایسے رنگ میں جو کہیں
تھا صرف اس کے پروں میں تھا اور ابھی اُسی کے لیے تخلیق کیا گیا تھا — لیکن ان
کے رنگ اتنے کچّے تھے کہ وہ جہاں سے بھی گذرتے اُن کے پروں سے رنگ کے
الگ ہو کر اُن کی پرواز کے راستے میں کہیں کہیں ہوا میں معلق ہوتے جاتے اور
نیم اندھیرے میں ہولے ہولے طرح طرح کے رنگوں کے راستے بن رہے تھے۔